Date of Publication: 09-04-2013 **PRICE Rs. 2/-**

POSTED ON 10-11 APRIL 2013
R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2012-14
Licensed to Post Without Prepayment U(C)160/2012-14

HAMARI ZABAN (WEEKLY)

ہفت روزہ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

15-21 APRIL 2013 | ۱۵تا۲۱/اپریل ۲۰۱۳ء

Issue: 15, Vol.:72 | شمارہ نمبر:۱۵، جلد نمبر:۷۲

انجمن ترقی اردو (ہند) کے زیرِ اہتمام

'دارا شکوہ: تاریخ اور زمانۂ حال کے تناظر میں' کے موضوع پر

سہ روزہ (۲۲ تا ۲۴/مارچ ۲۰۱۳ء) بین الاقوامی سمینار کا انعقاد

افتتاحی اجلاس

نئی دہلی۔ انجمن ترقی اردو (ہند) کے زیرِ اہتمام 'دارا شکوہ: تاریخ اور زمانۂ حال کے تناظر میں' کے موضوع پر منعقد سہ روزہ (۲۲ تا ۲۴/مارچ ۲۰۱۳ء) بین الاقوامی سمینار کا افتتاحی اجلاس عصرِ حاضر کے اہم ترین ادیب، نقاد اور دانش ور پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی کی صدارت میں ۲۲/مارچ کو راجندر بھون میں منعقد ہوا، جس میں ملک و بیرونِ ملک کے ممتاز ادیبوں، مورخوں اور دانش وروں نے شرکت فرمائی۔ اس افتتاحی اجلاس میں ہمارے عہد کے عظیم مورخ اور دانش ور پروفیسر عرفان حبیب نے کلیدی خطبہ پیش کیا۔ انھوں نے اپنے خطبے میں مغل شہزادہ دارا شکوہ کی شخصیت اور خدمات کے مختلف پہلوؤں پر انتہائی جامع انداز میں روشنی ڈالی۔ انھوں نے اکبر، ابوالفضل اور دارا شکوہ کے خیالات و افکار کا تقابلی مطالعہ افکار کی طرف متوجہ ہوئے۔ عرفان حبیب صاحب نے بتایا کہ اکبر اور دارا شکوہ کے مابین ایک بڑا فرق یہ بھی ہے کہ دارا شکوہ کی دلچسپی صرف ہندو دھرم تک محدود تھی لیکن اکبر کو ہندو دھرم کے علاوہ دوسرے مذاہب میں بھی دل چسپی تھی۔ عرفان حبیب صاحب نے دارا شکوہ کی علمی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ دارا شکوہ سے پہلے کسی بھی زبان میں اُپنشد کا ترجمہ نہیں ہوا تھا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُسے معقولات میں زیادہ دل چسپی تھی۔ عرفان حبیب صاحب نے اپنے کلیدی خطبے میں دارا شکوہ کی شخصیت اور خدمات سے متعلق تمام تفصیلات بہت ہی جامع اور مدلل انداز میں پیش کیں۔

مشہور مورخ پروفیسر عشرت عالم نے کہا کہ دارا شکوہ کے ترجمے اور مختلف علموں کی ترویج میں اہم کارنامے ہیں۔ اُن کی کتابیں 'سفینۃ الاولیا' اور 'سکینۃ الاولیا' جو تصوف اور صوفیا کے تذکرے پر مشتمل ہیں، بہت اہمیت رکھتی ہیں۔

عہدِ وسطیٰ کے ممتاز تاریخ داں پروفیسر نعیم الرحمٰن فاروقی نے کہا کہ صرف ۴۴ سال کی عمر میں دارا شکوہ نے پانچ کتابیں لکھ کر ایسا علمی کام انجام دیا ہے جو کسی دوسرے مغل شہزادے کے یہاں دیکھنے کو نہیں ملتا، یہ دارا شکوہ کی عظمت کا ثبوت ہے۔ پروفیسر نعیم الرحمٰن فاروقی نے دارا شکوہ کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ ایک ایسا حکمراں تھا جو اپنی رعایا اور محکوم کے مذہبی خیالات اور جذبات کا بہت زیادہ خیال رکھتا تھا۔ وہ قرآن اور اسلام کو سمجھنے کے لیے ہندو مذہبی کتابوں کی تفہیم کو بھی ضروری سمجھتا تھا۔

ہمارے عہد کے اہم ترین ادیب، نقاد اور دانش ور پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی نے دارا شکوہ کی علمی و تخلیقی خدمات کا بہت ہی عالمانہ اور مفکرانہ انداز میں تذکرہ کیا اور کہا کہ بہت کم لوگوں کو علم ہے کہ دارا شکوہ شاعر بھی تھا۔ اس سلسلے میں شمس الرحمٰن فاروقی نے مثال کے طور پر دارا شکوہ کے کئی اشعار بھی پیش کیے۔ شمس الرحمٰن فاروقی صاحب نے بتایا کہ دارا شکوہ کا تخلص قادری تھا

پیش کیا اور بتایا کہ ابتدائی دور میں دارا شکوہ پر تصوف اور صوفیا کا بڑا گہرا اثر تھا اور اس سلسلے میں اُن کی دو کتابیں 'سفینۃ الاولیا' اور 'سکینۃ الاولیا' بھی منظرِ عام پر آئیں۔ تقریباً ۱۶۵۰ء میں وہ تصورات اور کرامات کی دنیا سے ہٹ کر خیالات و



تصویر میں (دائیں سے بائیں): ڈاکٹر اطہر فاروقی، پروفیسر عرفان حبیب، پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی، جسٹس مارکنڈے کاٹجو، پروفیسر نعیم الرحمٰن فاروقی اور پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی

جس سے عام اردو والے ناواقف ہیں۔

جلسے کے آغاز میں انجمن ترقی اردو (ہند) کے صدر پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی نے اپنے استقبالیہ کلمات میں کہا کہ انجمن نے اس سے قبل زبان و ادب سے متعلق متعدد سیمینار اور جلسے منعقد کیے ہیں، مگر تاریخ و تہذیب کے بہت سے ایسے روشن باب ہیں جن کو اب تک نظر انداز کیا گیا ہے مگر جو ہماری توجہ کے لائق ہیں، اسی کڑی کے طور پر آج کا یہ بین الاقوامی دارا شکوہ سیمینار ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ اس سیمینار میں ایسے اہم لوگ شریک ہو رہے ہیں جنھوں نے اس موضوع پر خاص طور سے غور کیا ہے۔ میں تمام مقررین، مقالہ نگاروں اور شرکا و سامعین کا دل سے استقبال کرتا ہوں۔

آخر میں انجمن ترقی اردو (ہند) کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر اطہر فاروقی نے اس افتتاحی جلسے کے مقررین پروفیسر عرفان حبیب، پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی، پروفیسر نعیم الرحمٰن فاروقی، پروفیسر عشرت عالم اور پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اس سیمینار کے دوسرے اجلاسوں میں ملک اور بیرون ملک کے جن اسکالرز کی شرکت متوقع ہے اور جو آئندہ اجلاسوں میں اپنے مقالات پیش کریں گے میں ان کا بھی شکرگزار ہوں۔ آخر میں میں تمام شرکا اور سامعین کا بھی بے حد ممنون ہوں جن کی شرکت یقیناً ہمارے سیمینار کی کامیابی کی ضامن ہے۔

اس افتتاحی اجلاس کی نظامت کے فرائض ڈاکٹر رضا حیدر نے بہ حسن و خوبی انجام دیے۔ یہ بین الاقوامی سیمینار قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان اور انڈین کونسل فور ہسٹوریکل ریسرچ کے تعاون سے منعقد کیا گیا۔

پہلا اجلاس

افتتاحی اجلاس کے بعد ۲۲ مارچ کو پہلا اجلاس مشہور مورخ پروفیسر اقتدار عالم خاں کی صدارت میں سہ پہر تین بجے منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں تین اہم مقالے پیش کیے گئے۔ پہلا مقالہ پروفیسر نیجر پانڈے نے 'مذہبی ڈائیلاگ کار: دارا شکوہ' کے عنوان سے پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہم ایک ایسے وقت میں دارا شکوہ کو یاد کر رہے ہیں جب تہذیبوں کے تصادم کے اعلانات ہو رہے ہیں اور سموئیل ہنٹنگٹن کی 'تہذیبوں کے تصادم کا اصول' نامی کتاب پوری دنیا میں موضوع بحث بنی ہوئی ہے۔ اگرچہ تہذیبوں کے اس تصادم سے کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہیں ہوا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ آیا موجودہ وقت میں تہذیبوں کا تصادم ضروری ہے یا پھر تہذیبوں کے درمیان تبادلۂ خیالات۔ نیجر پانڈے صاحب نے مزید کہا کہ دارا شکوہ اس نظریے پر یقین رکھتا تھا کہ بات چیت سے سوچ و فکر ترقی کرتی ہے اور تبادلۂ خیالات کے نتیجے میں جو فکر پیدا ہوتی ہے وہی کارگر اور اثر انداز ہوتی ہے۔ اس لیے موجودہ دور میں نہ صرف ہندوستانی سماج کے لیے بلکہ ساری ہی نوع انسانی کے لیے دارا شکوہ کے ڈائیلاگ کے نظریے کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے کی ضرورت ہے۔



دوسرے اجلاس کا ایک منظر

تصویر میں (دائیں سے بائیں) ڈاکٹر تصدق حسین، پروفیسر آفاق احمد، پروفیسر ضیاء الدین شکیب، پروفیسر جگن تیواری اور ڈاکٹر سید شاہد حسن کمال

ڈاکٹر شیریں موسوی نے 'دارا شکوہ معاصرین کی نظر میں' کے عنوان سے اپنا مقالہ پیش کرتے ہوئے مشہور انگریز مورخ برنیئر کے حوالے سے کہا کہ دارا شکوہ مسلمان پیدا ہوا تھا لیکن اس کی خواہش ہوتی تھی کہ جب وہ ہندوؤں کے درمیان رہے تو صرف ہندو بن کر رہے، اسی طرح جب وہ عیسائیوں کے درمیان رہے تو محض عیسائی رہے اور اگر وہ مسلمانوں کے بیچ رہے تو صرف اور صرف مسلمان رہے۔ دارا شکوہ یہ سب کچھ تفریح طبع کے لیے کر رہا تھا جب کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ دارا شکوہ یہ تمام کوششیں محض اقتدار حاصل کرنے کے لیے کر رہا تھا۔ ڈاکٹر شیریں موسوی نے اپنی تقریر میں یہ بھی کہا کہ دارا شکوہ طبعاً آزاد خیال تھا اور جو کچھ بھی کر رہا تھا وہ سب دکھاوے کے لیے کر رہا تھا۔

پروفیسر نعیم الرحمٰن فاروقی نے اپنا مقالہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ بلاشبہ دارا شکوہ سترہویں صدی کے تمام شہزادوں میں سب سے زیادہ پڑھا لکھا اور سچائی کا متلاشی تھا۔ اس نے اپنی ۴۴ سالہ مختصر سی زندگی میں پانچ کتابیں لکھ کر اور دو سنسکرت کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کر کے ایسا علمی کارنامہ انجام دیا جو آج تک دنیا کے شاہی خاندان کے کسی بھی فرد کے یہاں دیکھنے کو نہیں ملتا۔ دارا شکوہ کو ہندو ازم اور خاص طور سے تصوف سے خاصی دلچسپی تھی۔ وہ تمام فرقوں کے صوفی سنتوں کو عزت و وقار کی نگاہ سے دیکھتا تھا لیکن سلسلۂ قادریہ کے امام عبدالقادر جیلانی سے اس کو گہری عقیدت تھی۔

آخر میں پروفیسر اقتدار عالم خاں نے اپنی عالمانہ اور صدارتی تقریر میں کہا کہ عام طور پر ہندوستان کی تاریخ میں دارا شکوہ کو ایک حزنیہ کردار کے طور پر یاد رکھا گیا ہے۔ لیکن اس کے برخلاف قوم پرستانہ نقطۂ نظر کی حامل تاریخی نگارشات میں دارا شکوہ کو انسانیت دوستی اور صلح کل کے اعلا اقدار کی حفاظت کی خاطر اپنی جان نچھاور کردینے والی ایک ایسی تاریخی شخصیت کے طور پر پیش کیا گیا ہے جس کو اپنی وقیع نگارشات، خصوصاً اپنشدوں کے فارسی ترجمے 'سرِّ اکبر' کی رعایت سے ان چند لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے جنھوں نے یورپی دنیا کو قدیم ہندوستان کی تہذیب سے روشناس کرایا۔

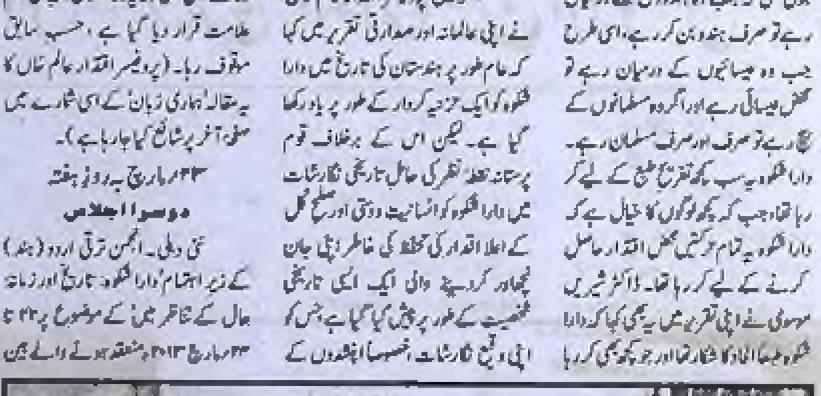
پروفیسر اقتدار عالم خاں نے یہ بھی کہا کہ یہ خیال پوری طرح درست نہیں ہے کہ اورنگ زیب کے برسر اقتدار آنے کے بعد مغل سلطنت میں وہ تہذیبی رجحان جو اکبری صلح کل کے نتیجے میں پیدا ہوا تھا اور سترہویں صدی کے دوران جس کی نمائندگی دارا شکوہ اور قادریہ سلسلے کے بعض صوفیا اور سرمد ایسے مجذوب کرتے تھے پوری طرح ناکام ہو گیا تھا۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اورنگ زیب کی تخت نشینی کے بعد بھی تقریباً بیس برسوں تک مغل طرز حکومت ویسا ہی رہا جیسا جہانگیر اور شاہجہاں کے زمانے میں جسے بعض جزیں اسلامی فلسفے کی اہم علامت قرار دیا گیا ہے، حسب سابق موقوف رہا۔ (پروفیسر اقتدار عالم خاں کا یہ مقالہ 'ہماری زبان' کے اسی شمارے میں صفحہ آخر پر شائع کیا جا رہا ہے)۔

۲۳ مارچ بروز ہفتہ

دوسرا اجلاس

نئی دہلی۔ انجمن ترقی اردو (ہند) کے زیر اہتمام 'دارا شکوہ: تاریخ اور زمانۂ حال کے تناظر میں' کے موضوع پر ۲۲ تا ۲۴ مارچ ۲۰۱۳ منعقد ہونے والے بین الاقوامی سیمینار کے دوسرے دن بھی دارا شکوہ کی شخصیت اور کارناموں کے مختلف پہلوؤں پر اہم مقالے پیش کیے گئے۔ آج کے پہلے اور سیمینار کے دوسرے اجلاس کی صدارت انگلینڈ سے تشریف لائے ممتاز ادیب اور محقق جناب ضیاء الدین شکیب نے فرمائی جب کہ مہمان خصوصی کی حیثیت سے معروف ادیب پروفیسر آفاق احمد نے شرکت کی۔ اجلاس کے پہلے مقالہ نگار ڈاکٹر تصدق حسین نے 'دارا شکوہ: حق کا متلاشی' کے موضوع پر مقالہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ دارا شکوہ مغل تاریخ کا ایک بڑا اسکالر ہے۔ اس نے متعدد کتابیں لکھیں اور ترجمے کیے۔ خاص طور سے صوفی ازم پر اس کی کتابوں 'سفینۃ الاولیا' اور 'سکینۃ الاولیا' کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ دارا شکوہ کی ایک اور اہم کتاب 'رسالۂ حق نما' بھی ہے جس کے مشمولات پر بھی پروفیسر تصدق حسین نے سیر حاصل گفتگو کی۔ تصدق حسین صاحب نے کہا کہ ان کتابوں کا مقصد دارا شکوہ کی حق و صداقت کی تلاش ہے۔ دارا شکوہ نے اسلام اور ہندو ازم کے فلسفے کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ وہ ہندو ازم اور اسلام کو ایک دوسرے کے قریب لانے کے لیے کوشاں تھا۔

کراچی (پاکستان) سے تشریف لائے مہمان ڈاکٹر سید شاہد حسن اقبال نے 'صوفی شہزادہ دارا شکوہ: اپنی تحریروں کے آئینے میں' کے موضوع پر اپنا مقالہ پیش کیا اور کہا کہ بابر کی اولاد میں صرف ایک شہزادہ دارا شکوہ کے علاوہ کوئی اور ایسا نہیں جو اپنی ذاتی حیثیت میں تاریخ کے صفحات پر زندہ رہ سکے۔ دارا شکوہ کو ایک عالم اور اسکالر کی حیثیت سے یاد کیا جائے گا۔ اپنی فکر جدید کا تحریری مظاہرہ دارا شکوہ نے اپنی پہلی کتاب 'سفینۃ الاولیا' کے ذریعے ۱۶۳۹ء میں کیا۔ اس کتاب کا مقصد معروف صوفیائے کرام کے حالات زندگی کو یکجا کرنا تھا۔ اس کتاب کی تصنیف کے وقت دارا شکوہ کی عمر صرف 25 سال تھی۔



تصویر میں (دائیں سے بائیں) ڈاکٹر شاہد ندیم، پروفیسر جگن تیواری اور پروفیسر علی احمد فاطمی

دارا شکوہ نے اپنی دوسری کتاب 'سکینۃ الاولیا' 28 سال کی عمر میں لکھی اور تقریباً 6 برس تک اس میں مختلف اضافے کرتے رہے۔ یہ کتاب دراصل دارا شکوہ کے روحانی پیشوا حضرت میاں میر اور ملا شاہ بدخشانی کی سوانح حیات ہے۔ تیسری کتاب 'رسالۂ حق نما' ہے۔ چوتھی کتاب 'حسنات العارفین' ہے۔ ایک اور اہم کتاب 'مجمع البحرین' دارا شکوہ نے 42 سال کی عمر میں تحریر کی۔

مشہور مورخ پروفیسر رجن تیواری نے ادب، سچائی اور سیاست کے پس منظر میں دارا شکوہ کے افکار و خیالات کو پوری انسانیت کے لیے اہم قرار دیا۔ انھوں نے دارا شکوہ کی شخصیت کو تاریخی حقائق کے ساتھ اجاگر کرنے کی ضرورت پر زور دیا اور کہا کہ دارا شکوہ نے اپنی زندگی میں کئی چیلنجز اور مشکلات کا ہمت اور بہادری سے مقابلہ کیا۔

ڈاکٹر عنایت زیدی نے دارا شکوہ کے عہد میں کشمیریت میں وحدت کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ انسانیت کی بقا اسی کشمیریت میں وحدت کے اصول میں پنہاں ہے۔ دارا شکوہ بھی اپنی زندگی میں اسی اصول کا متلاشی رہا اور اس کے لیے جدوجہد کرتا رہا۔ دارا شکوہ نے ہندوازم اور اسلام کو ساتھ لانے اور ان کے مابین دوریوں کو ختم کرنے کی کوشش کی، اس لیے زمانہ حال کے تناظر میں دارا شکوہ کی اہمیت اور معنویت اور بڑھ جاتی ہے۔

ڈاکٹر سیما زیدی نے اپنے مقالے میں دارا شکوہ کے اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ کیسے تعلقات تھے اور اس کی شخصیت پر یہ کتنے اثر انداز ہوئے، پر بہت جامع اور موثر طریقے سے روشنی ڈالی اور بتایا کہ دارا شکوہ کی شخصیت بہت دل چسپ تھی۔ وہ ایک رحم دل اور وسیع القلب انسان تھا۔

آخر میں ڈاکٹر ضیاء الدین شکیب نے اپنے صدارتی خطبے میں تمام مقالوں کو اہم اور اپنے موضوع پر بھرپور قرار دیتے ہوئے کچھ مفید تجاویز اور مشورے بھی دیے۔



تصویر میں (دائیں سے بائیں) ڈاکٹر مظفر حسین سید، پروفیسر شریف حسین قاسمی، پروفیسر قاضی عبدالستار اور ڈاکٹر محمد اسدالدین

تیسرا اجلاس

لنچ کے وقفے کے بعد دو بجے تیسرا اجلاس پروفیسر رجن تیواری کی صدارت میں شروع ہوا۔ اس اجلاس میں چار مقالے پیش کیے گئے۔ سب سے پہلے نوجوان امریکی اسکالر اینڈریو نے اپنا مقالہ 'مولوی عبدالحق اور اردو میں گزشتہ مغل تحریریں 47-1928 کے دوران' کے موضوع پر پیش کیا۔ اینڈریو صاحب انجمن ترقی اردو (ہند) پر تحقیقی مقالہ بھی لکھ رہے ہیں، اس مناسبت سے انھوں نے انجمن کی مختصر لیکن جامع تاریخ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ انجمن 1903 میں اردو کی ترقی اور فروغ کے لیے قائم ہوئی۔ مولوی عبدالحق ۱۹۱۳ء میں اس کے جنرل سکریٹری مقرر ہوئے۔ ۱۹۱۳ سے ۱۹۳۸ تک انجمن ترقی اردو اورنگ آباد حیدرآباد میں رہی، اس کے بعد مولوی عبدالحق انجمن کو حیدرآباد سے دہلی اس لیے لے آئے کہ موثر طور پر اردو زبان کو برٹش انڈیا کے کونے کونے میں پہنچا سکیں۔ اسی زمانے میں انجمن کی اہم اردو اور فارسی مسودے اور خاص طور پر مولوی عبدالحق کی مشہور انگلش اردو ڈکشنری شائع ہوئی۔

پروفیسر علی احمد فاطمی نے اپنا مقالہ 'محمد حسن کا ڈراما دارا شکوہ: تجزیہ و تنقید' پیش کیا اور کہا کہ پروفیسر محمد حسن کے ڈراموں کی کئی اہم خصوصیات ہیں۔ انھوں نے طویل اور مکمل ڈرامے بھی لکھے ہیں اور مختصر اور یک بابی بھی۔ حالات حاضرہ کے موضوع پر بھی طبع آزمائی کی ہے تو تاریخی کردار اور موضوعات کو بھی بڑی جسارت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ پروفیسر محمد حسن کے 'ضحاک' اور 'شیر انگیز' ڈرامے خاصے مشہور ہوئے ہیں، اسی سلسلے کی کڑی ہے ان کا اہم ڈراما 'دارا شکوہ' بھی۔

فاطمی صاحب نے کہا کہ دارا شکوہ ایک شہزادہ سے زیادہ صوفی اور عالم کے طور پر کل بھی شہرت رکھتا تھا اور آج بھی۔ دارا شکوہ پر لکھے جانے والے ناول، ڈرامے اور بڑی بڑی کتابیں اس بات کے گواہ ہیں کہ کم از کم ہندوستان جیسے ملک میں صوفی زندہ رہتے ہیں کوئی نہیں۔ دارا جیسے کردار انسانی تاریخ میں عظمت کے حق دار ہوتے ہیں، جن کی کل بھی ضرورت تھی اور آج کچھ زیادہ ہی ضرورت ہے۔

جناب شاہد ندیم جو اس بین الاقوامی سیمینار میں شرکت کے لیے پاکستان سے تشریف لائے ہوئے تھے، انھوں نے اپنے پلے 'دارا شکوہ' کی روشنی میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ دارا اور اورنگ زیب کے درمیان جو کشمکش ہوئی وہ صرف دو بھائیوں کی کشمکش نہیں تھی بلکہ دو نظریوں کے درمیان کشمکش تھی اور اس نظریاتی کشمکش میں اورنگ زیب نے فتح پائی اور اس نظریے کی کامیابی ہی کی وجہ سے ہم آج دنیا کے نقشے پر پاکستان اور بنگلہ دیش جیسے ملک کو دیکھتے ہیں۔

جناب دانش اقبال اور کے. کے. کوہلی صاحب نے بھی مشترک طور پر گوپال کرشن گاندھی کے مشہور پلے 'دارا شکوہ' کی کہانی کو مختصر لیکن بہت ہی جامع انداز میں پیش کیا۔

اس تاریخی موقعے پر مغل شہزادے دارا شکوہ کی زندگی پر مبنی پاکستان کے مشہور 'اجوکا تھیٹر گروپ' کی طرف سے ویڈیو کے ذریعے ایک پلے 'دارا' پیش کیا گیا، اس پلے کے ڈائرکٹر پاکستان کے معروف ڈرامہ نگار اور ہدایت کار جناب شاہد ندیم ہیں۔

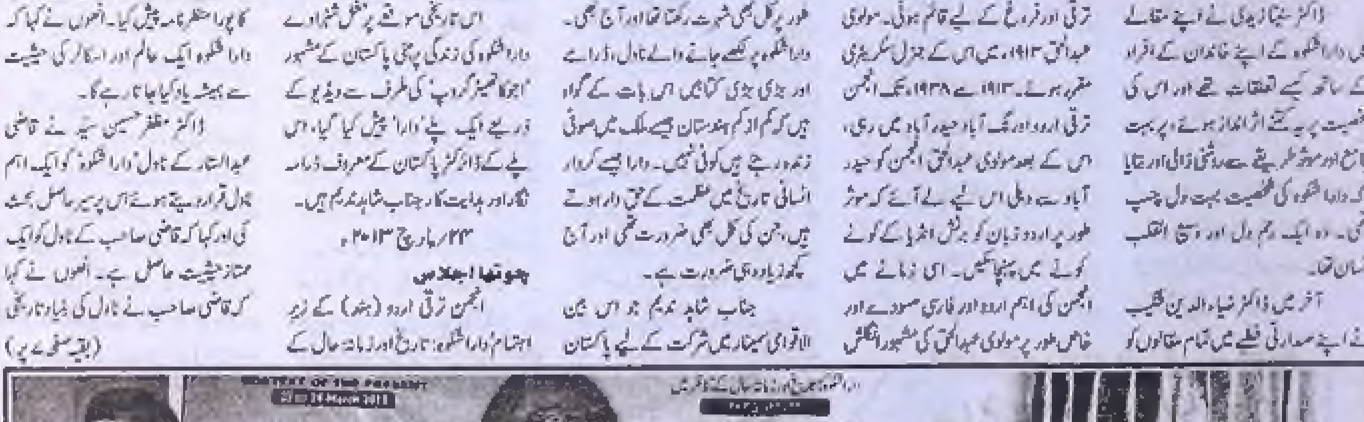
۲۳/مارچ ۲۰۱۳ء

چوتھا اجلاس

انجمن ترقی اردو (ہند) کے زیر اہتمام 'دارا شکوہ: تاریخ اور زمانہ حال کے تناظر میں' کے موضوع پر ۲۲ تا ۲۳/ مارچ ۲۰۱۳ء سے منعقدہ بین الاقوامی سیمینار کے آخری دن بھی بہت ہی اہم مقالے پڑھے گئے۔ آج کے پہلے اور سیمینار کے چوتھے اجلاس کی صدارت مشہور و ممتاز ادیب اور ناول نگار پروفیسر قاضی عبدالستار نے فرمائی، اس اجلاس میں دارا شکوہ کی شخصیت اور خدمات کے مختلف پہلوؤں پر چار مقالے پڑھے گئے۔ پہلا مقالہ ڈاکٹر محمد اسدالدین نے تقابلی ادب اور دارا شکوہ کے موضوع پر پیش کیا، جس میں انھوں نے دارا شکوہ پر کئی دوسری تحریروں کا ذکر کرتے ہوئے ممتاز اسکالر اور دانش ور گوپال کرشن گاندھی صاحب کے دارا شکوہ پر انگریزی میں تحریر کردہ پلے کا ناقدانہ جائزہ لیا اور اس پلے کا پورا منظر نامہ پیش کیا۔ انھوں نے کہا کہ دارا شکوہ ایک عالم اور اسکالر کی حیثیت سے ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے گا۔

ڈاکٹر مظفر حسین سید نے قاضی عبدالستار کے ناول 'دارا شکوہ' کو ایک اہم ناول قرار دیتے ہوئے اس پر سیر حاصل بحث کی اور کہا کہ قاضی صاحب کے ناول کو ایک ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ انھوں نے کہا کہ قاضی صاحب نے ناول کی بنیاد تاریخی

(بقیہ صفحہ ۶ پر)



تصویر میں (دائیں سے بائیں): ڈاکٹر سرور الہدیٰ، جناب نصرت ظہیر، پروفیسر سید علی الرحمن، پروفیسر صدیق الرحمن قدوائی، ڈاکٹر عبدالحسیب خاں اور ڈاکٹر قمر عالم

اردو دُنیا

'اردو کو اس کا حق دیا جائے گا'

مرکزی وزیر خزانہ پی چدمبرم کی یقین دہانی

لکھنؤ (۲۹ مارچ)۔ مرکزی وزیر خزانہ پی چدمبرم نے یہاں ہوٹل تاج میں غنی تعلیمی مرکز کے ایک وفد سے ملاقات کے دوران یقین دہانی کرائی کہ اردو کو اس کا حق دیا جائے گا۔ غنی تعلیمی مرکز کے جنرل سکریٹری عبدالنصیر ناصر کی قیادت میں وفد نے وزیر خزانہ سے ملاقات کرکے مطالبہ کیا کہ یوپی، بہار، جھارکھنڈ، آندھرا پردیش اور مغربی بنگال میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کی حیثیت حاصل ہے، لہٰذا مذکورہ ریاستوں میں بینکنگ کے شعبے میں ملازمین کی تقرری میں ہندی اور اردو جاننے والوں کو ترجیح دی جائے۔ نیز بینکوں اور بیمہ کمپنیوں کے سائن بورڈ، نیم پلیٹ، چیک بکوں اور دیگر اطلاعات و ہدایات کو ہندی اور اردو دونوں زبانوں میں تحریر کیا جائے۔ وفد نے کہا کہ دستور ہند میں علاقائی زبانوں کی ترقی کی ضمانت دی گئی ہے اس کے باوجود اس پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔ وزیر خزانہ نے کہا کہ دستور ہند میں دی گئی تمام سہولتوں پر ہماری حکومت عمل درآمد کرائے گی اور اردو کو اس کا قانونی حق ضرور دیا جائے گا۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

دوردرشن پر اردو خبروں کی نشریات میں اضافے کا منصوبہ

ہر دو گھنٹے پر نیوز بلیٹن، حالات حاضرہ پر بھی پروگراموں کی تعداد بڑھائی جائے گی

ایس۔ ایم۔ خان

نئی دہلی (۳۰ مارچ)۔ دوردرشن پر اردو نشریات خاص طور پر خبروں اور حالات حاضرہ کے پروگراموں کو بہتر خطوط پر ترقی دینے کا منصوبہ ہے۔ ڈی ڈی اردو پر دوسرے نیوز چینلوں کی طرح تازہ خبروں کا نیوز بلیٹن ہر دو گھنٹے بعد نشر کیا جائے گا۔ یہ بات دوردرشن نیوز کے ڈائرکٹر جنرل ایس ایم خان نے ایک خصوصی ملاقات میں بتائی۔ انھوں نے بتایا کہ ڈی ڈی اردو پر حالات حاضرہ کے پروگراموں کی تعداد بڑھائی جا رہی ہے۔ خیال رہے کہ ڈی ڈی اردو پر فی الحال ہر صبح اور ہر شام کو ساڑھے 9 بجے آدھے آدھے گھنٹے کے نیوز اور حالات حاضرہ کے پروگرام نشر کیے جاتے ہیں اور نئے شیڈول کے تحت اب صبح 6 بجے سے رات 12 بجے تک ہر دو گھنٹے کے بعد اپ ڈیٹ نیوز بلیٹن ٹیلی کاسٹ کیا جائے گا۔

ایس ایم خان کے مطابق اس منصوبے سے اردو نیوز نشریات کی توسیع اور ترقی سے اردو داں آبادی کی ضروریات و توقعات پوری کرنے میں مدد ملے گی اور طلبہ اور نوجوانوں کو روزگار کے مواقع ملیں گے۔ انھوں نے کہا کہ اردو نشر و اشاعت کی زبان ہے۔ دوردرشن کی اس پہل سے اس کا دائرہ اور وسیع ہوگا۔ ۱۹۸۲ء بیچ کے آئی اے ایس افسر ایس ایم خان 13 سال تک سی بی آئی کے ترجمان کے طور پر خدمات انجام دیتے رہے بعد ازاں انھیں میزائل مین اے پی جے عبدالکلام کے دور صدارت میں ان کے پریس سکریٹری کے طور پر کام کرنے کا موقع ملا۔ آج دوردرشن کے ڈائرکٹر جنرل کے انتہائی حساس اور اہمیت کے حامل عہدے پر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ اب تک ڈی ڈی اردو بہت محدود بجٹ پر کام کر رہا تھا لیکن اب ڈی ڈی اردو نئے پروگرام شروع کرنے جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ اب تک اردو نیوز چینل پر نیوز کاسٹر وہی کرتی تھی جنھیں کسی مہارت سے پڑھتے تھے لیکن اب ایس ایم خان کی قیادت میں ترقی کے مدارج طے کر رہے اردو نیوز بلیٹن، حالات حاضرہ کے پروگراموں میں استعمال ہونے والا سافٹ ویئر اردو کا ہی ہوگا اور نیوز کاسٹر اور پروڈیوسر نامہ نگار اردو رسم الخط میں کام کرے گا۔ ان کا کہنا ہے کہ اس طرح سے اردو کو اعتبار اور وقار حاصل ہوگا۔ کرنٹ افیئر پروڈیوسروں اور پروگراموں میں اردو داں ماہرین کو مدعو کیا جائے گا۔ انھوں نے اس بات پر تشویش کا اظہار کیا کہ اردو داں طبقے میں ٹیلیویژن کم ہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ ڈی ڈی اردو میں نئے نئے پروگرام شروع کیے جا رہے ہیں۔ سیریل بنانے کے منصوبوں کو منظوری مل چکی ہے۔ اس زمرے میں ۱۵ نئے سیریلز کو منظوری مل چکی ہے۔

ڈی ڈی نیوز کے ڈائرکٹر جنرل نے بتایا کہ قومی سطح پر اردو کے پروگراموں کی توسیع اور ترقی کے علاوہ علاقائی زبانوں کے چینلوں پر بھی اردو بلیٹن شروع کرنے کا منصوبہ ہے اور جلد ہی بنگلور اور بھوپال کے علاوہ دیگر علاقائی مراکز سے بھی اردو بلیٹن شروع کیا جائے گا۔ قابل غور ہے کہ علاقائی چینلوں سے اردو بلیٹن شروع کرنے کا معاملہ حساس نوعیت کا ہے، اس سے قبل کرناٹک سے اردو بلیٹن کے پروگرام شروع کرنے پر تنازع ہو چکا ہے مگر آج کے تناظر میں اس طرح کے کسی بھی تنازع کے اٹھنے کا اندیشہ کم ہے۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

اردو کے لیے کیے گئے وعدے پورے کیے جائیں

فیض آباد، اتر پردیش (۲۳ مارچ)

سماج وادی پارٹی نے اقتدار حاصل کرنے کے لیے اردو کے بارے میں بڑے بڑے وعدے کیے تھے، اقتدار میں آنے کے بعد ایک سال کا طویل عرصہ گزر چکا ہے مگر اردو کے لیے کچھ بھی نہیں کیا گیا۔ اس سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ سارے وعدے جھوٹے اور کھوکھلے تھے۔ یہ باتیں اردو بچاؤ تحریک کے ضلع ترجمان اشتیاق خاں نے کہیں۔ انھوں نے کہا کہ سرکار اردو والوں کے ساتھ دھوکا کر رہی ہے۔ یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ اسکولوں میں اردو تعلیم پر کوئی توجہ نہیں دی جا رہی ہے، جب بچے اردو سے ناواقف رہیں گے تو اردو کیسے بچے گی۔ انھوں نے سرکار کو انتباہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر اکھلیش یادو اردو کو سہ لسانی فارمولے کے تحت درجہ تین سے درجہ آٹھ تک لازمی قرار دینے کا قانون بنا دیں تو اردو کا بنیادی مسئلہ حل ہو جائے گا اور سب اسکولوں میں اردو پڑھائی جانے لگے گی اور بچے اردو سے واقف ہوں گے۔

(آگ، لکھنؤ)

معلمین اردو کی جلد تقرری کا مطالبہ

ٹانڈہ، رامپور (۲۹ مارچ)۔ انجمن ترقی اردو اتر پردیش کا ایک جلسہ کاشانۂ وفا پر منعقد ہوا جس میں حکومت اتر پردیش سے معلمین اردو کی اسسٹنٹ ٹیچر کے عہدے پر پرائمری اسکولوں میں جلد از جلد تقرری کیے جانے کا مطالبہ کیا گیا۔ جلسے کو خطاب کرتے ہوئے انجمن کے صوبائی جنرل سکریٹری محمود الظفر رحمانی ایڈوکیٹ نے کہا کہ معلمین اردو گزشتہ سترہ برسوں سے اپنے مطالبات کے لیے جدوجہد کرتے چلے آ رہے ہیں، لیکن افسوس کہ آج تک ان کے مطالبات کو حکومت نے تسلیم نہیں کیا ہے اور معلمین اردو غربت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ نے بھی معلم اردو کی سند کو تسلیم کرتے ہوئے حکومت کو معلم اردو سند یافتگان کی تقرری کے احکامات جاری کیے تھے، لیکن سابقہ حکومت نے عدالت کے احکامات کو نظر انداز کرتے ہوئے اس جانب کوئی توجہ نہیں دی، موجودہ حکومت نے بھی دوران الیکشن یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر پارٹی اقتدار میں آئی تو معلمین اردو کو ان کا حق دیتے ہوئے اسسٹنٹ ٹیچر کے عہدوں پر ان کی تقرری کی جائے گی، حکومت کو اقتدار میں آئے ہوئے ایک سال کا عرصہ ہو چکا ہے لیکن افسوس کہ حکومت نے اس جانب ابھی تک کوئی مثبت اقدامات نہیں کیے ہیں۔

انجمن کے شہر صدر زاہد ٹانڈوی نے کہا کہ پارلیمانی الیکشن نزدیک ہیں اور کسی بھی وقت انتخابات کا اعلان ہو سکتا ہے، اگر ایسا ہوا تو حکومت ضابطۂ اخلاق کی پابند ہو جائے گی پھر حکومت چاہتے ہوئے بھی اس عمل کو عملی جامہ نہیں پہنا سکے گی، اس لیے ضروری ہے کہ وقت رہتے حکومت اس مسئلے کو سنجیدگی سے پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔

مقامی جنرل سکریٹری لئیق سیفی ایڈوکیٹ نے کہا کہ معلمین اردو ابھی تک حکومت کی کارکردگی سے مطمئن نہیں ہیں، لیکن اس کے باوجود معلمین اردو کو وزیر اعلیٰ اکھلیش یادو سے امید ہے کہ وہ معلمین اردو کے جائز حقوق کی طرف دھیان دیں گے۔

جلسے میں ماسٹر محمد حنیف، فرید الظفر رحمانی، حاجی محمد، حافظ شکیل، حافظ لئیق، رخسار اسلم، بیگم عابدہ، ماسٹر محمد اکرام، ماسٹر محمد ہارون، ماسٹر محمد عثمان، عبدالرشید، ریاض الاسلام، محمد اکرام، شہناز پروین، رخسانہ لئیق، راشدہ بیگم اور شائستہ بی وغیرہ شریک تھیں۔ جلسے کی نظامت لئیق سیفی نے کی۔

(آگ، لکھنؤ)

سرونج میں 'اردو تحریک' کی تشکیل

سرونج، مدھیہ پردیش (پریس ریلیز)

۱۷ مارچ ۲۰۱۳ء کو امن شادی ہال میں شاخ اردو تحریک کا قیام عمل میں آیا جس میں اتفاق رائے سے جناب محمد اسحاق کو صدر، سیفی سرونجی کو نائب صدر اور محمد اشتیاق قاسمی کو سکریٹری منتخب کیا گیا۔ سرونج میں گھر گھر اردو رسائل اور اخبارات کو پہنچانا اور بازاروں، دکانوں میں اردو بورڈ لگوانا، مدرسوں اور اسکولوں میں طلبہ میں پڑھنے کا شوق پیدا کرنا، کتابیں مفت تقسیم کرنا، بچوں کے رسائل جاری کرانا اور دیگر اردو سے متعلق تمام مسائل پر نظر رکھنا اس تحریک کے اہم مقاصد ہوں گے۔ اس تحریک کے دیگر ممبران میں مولوی عبدالعلیم، مولوی اختر، مولوی سعد، محمد ادریس، محمد شعیب، محمد عامر، محمد ہیم، محمد مصعب، محمد سجاد، محمد شاداب اور محمد اشتیاق شامل ہیں۔

انجمن تعمیر اردو دلی کے زیر اہتمام

ہولی ملن کے موقعے پر محفل شعروسخن

نوئیڈا (پریس ریلیز)۔ انجمن تعمیر اردو دلی کے زیر اہتمام بانی انجمن اور ممتاز شاعر پنڈت آنند موہن زتشی گلزار دہلوی کی رہائش گاہ پر محفل شعروسخن کا اہتمام کیا گیا جس میں اردو اور ہندی کے معروف شعرا نے شرکت کی۔ اس موقعے پر گلزار دہلوی نے کہا کہ تمام تہواروں کو مل جل کر منانا ہندوستانی تہذیب کا خاصہ رہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ گزشتہ ستر سال سے زائد عرصے سے وہ رام لیلا میں مسلمانوں کی شرکت اور حضرت نظام الدین اولیاؒ کے عرس میں ہندو اور دیگر غیر مسلموں کو شریک کرنے کے لیے کوشاں رہے ہیں۔ اس موقعے پر منعقد محفل شعروسخن میں جن شعرائے کرام نے اپنے کلام پیش کیے ان میں گلزار دہلوی، وقار مانوی، ظفر مراد آبادی، ڈاکٹر اشوک مدھوپ، پروفیسر للن پرساد، آلوک شریواستو، بابا کانپوری، عادل رشید تلہری، تونیکا سیٹھی، ڈاکٹر سیما گپتا، شاداب اور کرامت قابل ذکر ہیں۔

حکومت آندھرا پردیش اردو کی ترقی و ترویج کے عہد کی پابند

ریاست میں سہ لسانی فارمولے پر عدم عمل آوری، کونسل میں وزیر لکشمی نارائنا کا اعتراف

حیدرآباد (۲۳ مارچ)۔ ریاستی وزیر کے لکشمی نارائنا نے قانون ساز کونسل کو بتایا کہ حکومت اردو کے فروغ کے لیے سنجیدہ ہے اور اردو زبان کو اس کا جائز مقام دلایا جائے گا۔ قانون ساز کونسل میں آج وقفۂ سوالات کے دوران ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ حکومت ریاست میں سہ لسانی فارمولے پر عمل نہیں کررہی ہے تاہم آندھرا پردیش آفیشیل لنگویج ایکٹ ۱۹۶۶ء کے سکشن (1)5 کے تحت تشکیل کردہ آفیشیل لنگویج کمیشن کی جانب سے اردو کو چندہ اضلاع میں دوسری سرکاری زبان کے طور پر رائج کرنے کے لیے خصوصی اقدامات کیے جارہے ہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ حکومت کی جانب سے اضلاع حیدرآباد، کرنول، کڑپہ، نظام آباد، اننت پور، رنگاریڈی، میدک، گنٹور، عادل آباد، چتور، محبوب نگر، نیلور، ورنگل، کریم نگر اور نلگنڈہ، میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا ہے۔ لکشمی نارائنا نے کہا کہ ان اضلاع کے کلکٹرس کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ٹائپسٹ کی اسامیوں کو اردو ٹائپسٹ میں تبدیل کرتے ہوئے تقرری کریں، ہیڈ سینئر اسسٹنٹ کو جونیئر ٹرانسلیٹر کے طور پر تقرر کریں۔ رکن کونسل فاروق حسین نے وزیر موصوف کو بتایا کہ اضلاع میں مترجمین کی کمی ہے، دفاتر میں اردو میں درخواستیں قبول نہیں کی جارہی ہیں۔ انھوں نے حکومت سے اردو کو تلگو جیسا موقف فراہم کرتے ہوئے انصاف کرنے کا مشورہ دیا۔ ایک اور رکن حافظ شبیر احمد نے کہا کہ اردو کے ساتھ امتیازی رویہ اختیار کیا جارہا ہے۔ قانون ساز کونسل کے بورڈ پر اردو میں تحریر نہیں ہے، بسوں کے بورڈس پر سے اردو غائب ہے۔ پی جے چندرا شیکھر، وی بالا سبرامنیم اور ویا نند نے کہا کہ حکومت اردو کو مسلمانوں کی زبان تصور کررہی ہے جب کہ اردو سبھی کی زبان ہے۔ انھوں نے اردو کی عظمت کی بحالی کے لیے اردو میڈیم اسکولوں اور کالجوں کو مستحکم کرنے کے لیے تمام خالی لکچررس، ٹیچرس کی اسامیوں پر تقررات کرتے ہوئے اردو میڈیم طلبہ کے مستقبل کو تاریک ہونے سے بچانے کا مطالبہ کیا۔ وزیر لیبر ڈی ناگیندر نے کہا کہ حکومت اردو کی ترقی و ترویج اور تحفظ کے عہد کی پابند ہے اور اردو کی ترقی کے لیے ضروری اقدامات کیے جائیں گے۔ (منصف۔ حیدرآباد)

اردو اخبارات کے صحافیوں کو زون میٹنگ کور کرنے کی اجازت نہیں

زون چیئرمین کے پی اے نے پہلے نمائندے کو روکا پھر بعد میں کورنگ کرنے کی اجازت دی

نئی دہلی (۲۲ مارچ)۔ آج جب نمائندہ شاہدرہ جنوبی زون کارپوریشن کی ہفتہ وار میٹنگ کو کور کرنے زون دفتر میں پہنچا تو زون چیئرمین دیویندر کمار کے پی اے مول چند گوگل نے نمائندے سے معلوم کیا کہ آپ 'راشٹریہ سہارا' ہندی سے ہیں یا اردو سے تو نمائندے کے یہ بتانے پر کہ وہ روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' اردو سے ہیں تو مول چند نے نمائندے سے کہا کہ ہم اردو اخبار کے صحافیوں کو زون میٹنگ کو کور کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے ہیں۔ جب ان سے معلوم کیا گیا کہ یہ ہدایت کس کی ہے اور آپ کس کے کہنے سے ایسا کہہ رہے ہیں اور نمائندے نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ اس بات کا جواب نہیں دیں گے تو اب اس کا جواب ایم سی ڈی ہائی کمان سے معلوم کیا جائے گا۔ اتنا کہتے ہی پی اے کے قریب بیٹھے ایک دوسرے شخص نے مول چند کو کوئی اشارہ کیا تو فوراً مول چند اپنی بات کو بدلتے ہوئے چاپلوسی پر اتر آئے۔ جب نمائندہ نے اس سلسلے میں کارپوریشن کے ڈائرکٹر آف پریس یوگیندر سنگھ مان سے معلومات حاصل کیں تو انھوں نے بتایا کہ اس طرح کی کارپوریشن سے کوئی ہدایت نہیں ہے اور کسی بھی صحافی کو کارپوریشن میٹنگ کور کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا ہے، ایسا شاید مول چند نے لاعلمی میں کہہ دیا ہوگا اور آپ زون چیئرمین دیویندر سے معلومات حاصل کریں۔ جب زون چیئرمین دیویندر کمار سے بات کی گئی تو انھوں نے اس بات کی تردید کی اور کہا کہ میری جانب سے اس طرح کی کوئی بھی ہدایت نہیں دی گئی ہے۔ (راشٹریہ سہارا، دہلی)

اردو سوال ناموں کے ساتھ مذاق

حیدرآباد (۲۶ مارچ)۔ نائب صدر انجمن ترقی اردو حیدرآباد ڈاکٹر م ق سلیم نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ محکمۂ تعلیمات میں اردو بیزاری، گروپ بندی اور اقربا پروری کی وجہ سے اردو تعلیم کا معیار دن بہ دن گرتا جارہا ہے۔ خاص طور پر اردو سے بغض رکھنے والوں کو اس میں شامل کرکے اردو کے ساتھ ناانصافی کی جارہی ہے اور ایسی کمیٹیاں بنائی جارہی ہیں جو غیر معیاری نصاب تیار کررہی ہیں۔ اس سلسلے میں کئی بار محکمۂ تعلیمات کو توجہ دلائی گئی مگر بے فیض رہی اس بار بھی ایس ایس سی کے پرچہ اول و دوم اردو میں غلطیاں کی گئیں جس سے طلبہ ذہنی خلفشار کا شکار ہوگئے۔ پرچۂ دوم میں سرسری مطالعہ نمبر1 کو مکمل نظرانداز کردیا گیا جب کہ سرسری مطالعہ دوم سے 8 سوالات دیے گئے حالاں کہ پہلا سوال لازمی ہوتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ پرچۂ اول میں بھی قصیدہ، شہرآشوب، نوحہ اور نظم کے سوالات کے بجائے دوہے اور ماہیوں کے سوالات دیے گئے جس سے طلبہ ذہنی اذیت کا شکار ہوئے۔ ڈاکٹر سلیم نے محکمۂ تعلیمات سے مطالبہ کیا کہ وہ پرچۂ اول میں 6 نشانات اور پرچۂ دوم میں 5 نشانات دیں اور پرچہ تیار کرنے والوں کے خلاف قانونی کارروائی کریں۔ (سیاست۔ حیدرآباد)

کنٹریکٹ لکچررس کو مستقل کیا جائے

کمشنر انٹرمیڈیٹ کونسل سے تنظیم تحفظ اردو کے وفد کی نمائندگی

حیدرآباد (۲۶ مارچ)۔ تنظیم تحفظ اردو کے ایک پانچ رکنی وفد نے ۲۳ مارچ کو کمشنر انٹرمیڈیٹ جناب بے وی ایس پرساد سے ملاقات کرکے یادداشت پیش کی جس میں ان کنٹریکٹ لکچررس کو جو طویل عرصے سے خدمات انجام دے رہے ہیں، ان کو مستقل کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ جناب عارف الدین احمد کی قیادت میں وفد نے کمشنر انٹرمیڈیٹ کو بتایا کہ ریاست کے سینکڑوں کنٹریکٹ لکچررس تقریباً پندرہ برس سے خدمات انجام دے رہے ہیں ان کی عمریں 50 برس سے تجاوز کرگئی ہیں لیکن ان کی خدمات کو مستقل نہیں کیا گیا۔ جناب عارف الدین احمد نے کمشنر سے مطالبہ کیا کہ ان کنٹریکٹ لکچررس کو فوری مستقل کیا جائے۔ کمشنر نے وفد کو یقین دلایا کہ وہ ریاست کے تمام اضلاع کے لکچررس کی فہرست طلب کرکے آئندہ تعلیمی سال تک ان کو مستقل کرنے کے اقدامات کریں گے۔ اس وفد میں جناب عارف الدین احمد کے علاوہ عبدالقیوم، شمس الدین، قدرت اللہ بیگ اور عظیم خاں شامل تھے۔ (سیاست۔ حیدرآباد)

اردو سے طلبہ کو خوف دلاکر گمراہ کیا جارہا ہے

نئی دہلی (۳ اپریل)۔ قومی کمیشن برائے تعلیمی ادارہ جات کے کوآرڈینیٹر نے شمال مشرقی ضلع کے کئی اسکولوں کا دورہ کیا تو پایا کہ اردو پڑھنے والے طلبہ کو دوسری زبان کے اساتذہ خوف زدہ کرکے انھیں یہ بتانے کی کوشش کررہے ہیں اگر اردو میڈیم سے تعلیم حاصل کروگے تو آئندہ حصولِ تعلیم میں کئی دقتوں کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے اور یہ کہ اگر تم نے کلاس 6,7 اور 8 میں اردو میڈیم رکھا تو آئندہ ایڈمیشن مشکل ہوجائے گا۔ شمال مشرقی ضلع کے کوآرڈینیٹر محمد عاقل، جلیل الرحمن انصاری اور منظر علی خاں نے بھجن پورہ کے بی اور سی بلاک کے راجکیہ کنیا سینئر سکنڈری اسکول اور بال ودیالیہ کا دورہ کرکے جاننے کی کوشش کی کہ اردو میڈیم میں تعلیم کا سلسلہ شروع کردیا گیا یا نہیں اور ایسے کتنے اسکول باقی ہیں جہاں ابھی اردو اساتذہ کی تقرری نہیں ہوپائی ہے۔ انھوں نے پایا کہ بی بلاک واقع اسکول میں صرف کلاس 6 میں ہی ایک سیکشن کے طور پر اردو زبان کی تعلیم دی جارہی ہے جب کہ ابھی تک دوسری کلاس میں اردو زبان کی تعلیم کا کوئی نظم نہیں ہے جب کہ اس اسکول میں مسلم طلبہ کی تعداد 50 فیصد سے بھی زائد ہے جب کہ اسکول پرنسپل آر پی سنگھ کا کہنا تھا کہ ابھی اسکول میں صرف دو اردو اساتذہ ہونے کے سبب دوسری کلاس میں تعلیم کا نظم شروع کرنا مشکل ہورہا ہے جب کہ سی بلاک واقع اسکول کا دورہ کیا گیا تو اسکول کی پرنسپل کنچن جین نے پہلے تو اس دورے میں شامل کوآرڈینیٹروں سے ملنے سے انکار کردیا لیکن جب کوآرڈینیٹروں نے اصرار کیا تو انھوں نے اسکول میں ماہ جنوری سے دو اردو اساتذہ کی تقرری کی تصدیق کی ہے لیکن ان اساتذہ سے اردو پڑھانے کے علاوہ دوسرے کام لیے جارہے ہیں۔ جب طلبہ سے بات کی گئی تو انھوں نے بتایا کہ دوسری زبان کے اساتذہ ہمیں خوف دلا رہے ہیں کہ اردو کی تعلیم حاصل کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے کیوں کہ آخر میں تو تمھیں سنسکرت سے ہی تعلیم حاصل کرنی ہوگی۔ محمد عاقل کے مطابق اسکول میں مسلم طلبہ کی تعداد 60 فیصد کے قریب ہے، اردو اساتذہ کی تقرری بھی ہوئی لیکن اسکول کی پرنسپل اردو زبان کے تئیں تعصب کا مظاہرہ کرکے اساتذہ سے دوسرے کام کراکر طلبہ کو اردو زبان سے محروم رکھنے کی کوشش کررہی ہیں۔ (راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

ڈاکٹر خلیق انجم کا خط ڈاکٹر اطہر فاروقی کے نام

"۲۶ مارچ ۲۰۱۳ء

ڈاکٹر اطہر فاروقی!

کچھ دیر پہلے اختر زماں صاحب نے آپ کی اس تقریر کا مسودہ مجھ تک پہنچایا جو آپ نے ان کے ذریعے مجھے عنایت فرمایا تھا۔ اختتامی کلمات کے طور پر آپ نے سیمنار کے آخر میں شکریے کی جو تقریر کی وہ آپ کی علمیت اور اہلیت کا بہت بڑا ثبوت ہے۔

اردو کے مختلف اخباروں میں اس سیمنار کی رپورٹ پڑھی۔ آپ نے واقعی چھوٹے بھائی ہونے کا حق ادا کردیا۔ دہلی میں ایسے تاریخی موضوعات پر شاید ہی کوئی سیمنار منعقد ہوا ہو۔ جن الفاظ میں آپ نے کئی بار میرا ذکر کیا ہے، اس کے لیے میں آپ کا تہہ دل سے شکرگزار ہوں۔ آپ کی تقریر سے میرے دل پر گہرا اثر ہوا۔ مجھے یقین ہوگیا کہ آپ دل سے مجھے اپنا بڑا بھائی مانتے ہیں۔

خدا آپ کو خوش و خرم، تندرست اور سلامت رکھے اور خدا کرے انجمن ترقی اردو (ہند) کو ہمیشہ آپ کی سرپرستی حاصل رہے۔

نیازکیش

(خلیق انجم)"

*****

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : اُداس لمحوں کی خود کلامی
(افسانوی مجموعہ)
مصنف : شائستہ فاخری
ضخامت : ۲۵۶ صفحات
قیمت : ۲۵۰ روپے
ملنے کا پتا : ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس
گلی وکیل والی، کوچہ پنڈت
لال کنواں، دہلی-۶
تبصرہ نگار : ڈاکٹر ذکی طارق

'اُداس لمحوں کی خود کلامی' شائستہ فاخری کا دوسرا افسانوی مجموعہ ہے۔ آپ کا پہلا مجموعہ 'میرے ذہن کی پہچان' اردو اور دیوناگری رسم الخط میں شائع ہو کر مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ صوفی خانوادے سے تعلق رکھنے والی شائستہ افسانے کی تکنیک اور اس کے فنی لوازمات سے نہ صرف واقف ہیں بلکہ انھیں سلیقے سے برتنے کا ہنر بھی جانتی ہیں۔ یہ افسانے فقط افسانے نہیں ہیں بلکہ موجودہ عہد کا منظرنامہ اپنی پوری جزئیات کے ساتھ قاری کی نظر میں آجاتا ہے۔

شاعری کی طرح افسانہ نگاری بھی خدا کا ایسا عطیہ ہے جو تخلیق کے لیے اُکساتا رہتا ہے۔ اسی لیے اس مجموعے کے ابتدائی صفحات میں شائستہ فاخری نے اعتراف کیا ہے کہ

"لکھنا میری مجبوری ہے، نہ لکھوں تو ایک چیخ بن کر فضا میں تحلیل ہو جاؤں گی۔ بستر مرگ پر پڑے مریض کی آخری کراہ بن جاؤں گی۔ طوفانی ہواؤں کا شکار ہو کر اپنے ہی ضمیر سے دور نکل جاؤں گی"۔

مزید آگے لکھتی ہیں

"لکھنا میری ضرورت ہے اور لکھنا میرے لیے چیلنج ہے کہ دیکھو وقت گزر رہا ہے۔ قرض اتار دو"۔

یہ اظہار برائے زیب بیان نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے۔ جو فطری فنکار ہوتا ہے وہ ہر واقعے سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور یہ واقعات ہی فنکار کو لکھنے کے لیے پیہم اُکساتے رہتے ہیں اور کبھی کبھی ان میں اس قدر شدت ہوتی ہے کہ اپنی اہم ضرورتوں کو بھی بالائے طاق رکھنا پڑتا ہے اور جب تک وہ واقعہ قلم بند نہیں ہو جاتا ضمیر مطمئن نہیں ہوتا۔

شائستہ فاخری ایک علمی اور مذہبی خانوادے سے تعلق رکھتی ہیں عموماً مذہبی ماحول کی شدت پسندی بغاوت پر اکساتی ہے اور یہ بغاوت بھی اتنی ہی شدید ہوتی ہے کہ تمام حدوں کو پار کر جاتی ہے۔ مذہبی ماحول کی پروردہ شائستہ فاخری کے علاوہ رفیعہ منظور، صالحہ عابد حسین، قرۃ العین حیدر اور ہاجرہ نازلی وغیرہ بھی ایسی ہی افسانہ نگار ہیں اور تقریباً سبھی کے افسانوں میں مذہب کی بے جا قیود سے انحراف کا عنصر موجود رہا ہے لیکن ان سبھی کے عقیدے متزلزل نہیں ہیں۔ یوں بھی دیکھا جائے تو ہر شدت سے پہلو تہی برتنا اعتدال پسندی کی علامت ہے اور اعتدال کبھی چونکاتا نہیں بلکہ بڑی خاموشی سے اپنا کام کرتا ہے جس میں تصادم کا خطرہ نہیں رہتا۔

مذکورہ بالا افسانہ نگار خواتین کی طرح شائستہ فاخری کے افسانوں میں بھی نسوانی استحصال کی بڑی خوب صورتی کے ساتھ نشان دہی ملتی ہے جسے ہم حقیقت سے دور قرار نہیں دے سکتے۔ ان کے کردار موجودہ عہد کے وہ لوگ ہیں جنھیں ہم روز و شب اپنی زندگی میں دیکھتے اور متاثر ہوتے رہتے ہیں۔ شائستہ فاخری اپنی اوائل عمری سے ہی حساس رہی ہیں، یہی سبب ہے کہ ان کی پہلی تصنیف ہندی زبان میں 'مسندی بیلا' کے نام سے ۱۹۸۱ء میں شائع ہو گئی تھی جب صرف انٹرمیڈیٹ کی تعلیم انھوں نے پوری کی تھی۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شائستہ نے چھوٹی عمر سے ہی لکھنا شروع کر دیا تھا جس میں وقت، عمر گزرنے اور تعلیمی سلسلہ مکمل ہونے تک اور بالیدگی آ گئی۔

افسانوں پر مشتمل 'اداس لمحوں کی خود کلامی' میں ایک آزاد نظم، خود مصنفہ کے قلم سے تعارف اور 'میرا تخلیقی سفر' کے عنوان سے مصنفہ کا اظہار خیال بڑا اچھا اور دلچسپ ہے۔ کتاب میں انیس رفیع، پروفیسر علی احمد فاطمی اور پروفیسر گوپی چند نارنگ کے مضامین بھی شامل ہیں، جنھوں نے انھیں مستقبل کی بڑی افسانہ نگار بننے کی پیشین گوئی کی ہے۔

نرودہ پرست اس عہد میں پیشین گوئی اور وہ بھی مستقبل کے لیے اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ انھیں زندگی میں اہل نظر کے اس عمل سے دوچار ہونا پڑے گا کیوں کہ یہ لوگ کسی کو فن کی معراج پر ایستادہ دیکھنے کے متحمل نہیں ہیں، ایسی تحریریں اعتراف کے ساتھ وہ اعتراف ظاہر کرتی ہیں۔

ہماری نظر میں شائستہ فاخری افسانے کی معراج پر ہیں، انھیں اس عروج سے فرار نہیں بلکہ رشک میں مبتلا ضرور ہونا چاہیے۔

ooo

نام کتاب : ایوانِ ادب
مصنف : ڈاکٹر سید بشیر احمد
ضخامت : ۲۰۶ صفحات
قیمت : ۲۰۰ روپے
ملنے کا پتا : فلیٹ نمبر بی-۱، سکوٹی اپارٹمنٹ لکڑی کا پل،
حیدرآباد-۵۰۰۰۰۴
تبصرہ نگار : پروفیسر مجید بیدار

شاعری اور نثر نگاری کی تفہیم کے لیے ہر دور میں مختلف انداز مروج رہے ہیں اور اس انداز کو کبھی تحقیق کے نام سے یاد کیا گیا اور کبھی تنقید کے توسط سے شعر و ادب کی تفہیم و تشریح کا حق ادا کیا جاتا رہا ہے۔ بنیادی طور پر اردو میں تنقید کی روایت اور تحقیق کی خصوصیت کو بیسویں صدی میں عام مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس خصوص میں شہر حیدرآباد اور اس سے متعلق بے شمار محققوں اور نقادوں کے کارناموں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ادبی تحقیق و تنقید کی روایت بابائے اردو مولوی عبدالحق سے ترقی پاتی ہوئی جامعہ عثمانیہ کے فرزندوں کے توسط سے آج ایک نئے انداز سے مستقبل کی نمائندگی کر رہی ہے۔ بیسویں صدی کے جامعہ عثمانیہ کے اہم سپوتوں میں ڈاکٹر سید بشیر احمد کا شمار ہوتا ہے جنھوں نے عمر عزیز کے سات دہے گزارنے کے بعد جامعہ سے وابستگی اختیار کی پھر ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد اپنے قلم کی جولانی کے ایسے جوہر دکھائے کہ مختصر سے عرصے میں ان کی گیارہ کتابیں شائع ہو گئیں جو اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ ڈاکٹر سید بشیر احمد نے جامعہ عثمانیہ سے وابستگی کے ساتھ اس کی تصنیف و تالیف کی روایت کو فروغ دیا ہے اور اردو داں طبقے کے لیے شعر و ادب کی تفہیم کے لیے نئی روشنی کی راہ متعین کی ہے اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ لکھنے پڑھنے کے لیے کوئی عمر مختص نہیں ہوتی۔ اگر انسان چاہے تو رابندر ناتھ ٹیگور کی طرح آخری عمر میں بھی تحصیل علم کا سلیقہ حاصل کر سکتا ہے۔ اس کی بین مثال ڈاکٹر سید بشیر احمد کی جستجو سے دی جاسکتی ہے۔ انھوں نے پیرانہ سالی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرتے ہوئے جب اپنے قلم کے جوہر دکھائے تو روزنامہ 'سیاست' کے ہر ادبی صفحے میں ان کے مضامین تسلسل کے ساتھ شائع ہونے لگے جنھیں موقع بہ موقع انھیں کتابی شکل میں شائع کر کے بشیر احمد نے علم و ادب کی خدمت کا حق ادا کیا۔ جامعہ عثمانیہ کے ایک استاد کی حیثیت سے مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ میرے بیشتر معمر شاگردوں میں ڈاکٹر سید بشیر احمد اس لیے عزیز ہیں کہ انھوں نے ڈگری حاصل کرنے کے بعد خاموشی اختیار نہیں کی بلکہ اردو داں طبقے کو علم و فن کی گہرائی و گیرائی سے واقفیت دلانے کے لیے قلم کو ایک وسیلے کے طور پر استعمال کیا۔ یہی ڈاکٹر سید بشیر احمد کی انفرادیت ہے کہ وہ مسلسل لکھتے جا رہے ہیں اور ان کے قلم کی روانی میں کسی قسم کی کوئی کمی واقع نہیں ہوئی اور عمر میں اضافے کے ساتھ ان کے حافظے کی قوت اور جدت طرازی تفہیم اور تشریح کے رویے کو جدید اظہار کا سلیقہ بخشنے کا سبب بن رہی ہے۔

حیدرآباد کے نثر نگاروں کے کارواں میں ڈاکٹر سید بشیر احمد نے گیارہ کتابوں کے بعد ایک نئی کتاب 'ایوان ادب' کے عنوان سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ اب تک ان کی تمام شائع شدہ کتابوں کے مقابلے میں اس کتاب کی انفرادیت یہی ہے کہ ڈاکٹر سید بشیر احمد نے سابق کی شائع شدہ بیشتر کتابوں میں صرف اور صرف شخصیات اور ادبی کارناموں کی پیش کشی پر توجہ مرکوز کی تھی کو کہ 'ایوان ادب' جیسی کتاب میں بھی چند شخصی مضامین موجود ہیں لیکن اس کتاب کی نوعیت ان کی اب تک کی تحریر کردہ تمام کتابوں سے بالکل مختلف ہو جاتی ہے کیوں کہ اب ڈاکٹر سید بشیر احمد نے اپنے مضامین کے رخ کو ایک نئی نہج سے وابستہ کیا ہے جو 'موضوعاتی مضامین' کا موقف رکھتے ہیں جن کے ذریعے وضاحت کی تکمیل ہی نہیں بلکہ مختلف موضوعات جیسے تصوف اور اس کے مختلف معاملات کی پیش کشی کا حق بھی ادا ہوتا ہے۔ 'ایوان ادب' کو درحقیقت ڈاکٹر سید بشیر احمد کے موضوعاتی مضامین کا ایک بہترین گلدستہ قرار دیا جاسکتا ہے جس میں بہ موضوعات اور بہ انداز کی شخصیتوں پر لکھے گئے شخصی خاکے بھی موجود ہیں، جن کے مطالعے سے ڈاکٹر سید بشیر احمد کی تحریری صلاحیت میں ہمہ جہتی اور سنجیدہ طبعی کا اظہار ہوتا ہے۔

'ایوان ادب' میں بشیر احمد نے 30 موضوعات کا احاطہ کرتے ہوئے اپنی فطرت کے مذہبی رنگ اور اس کے ساتھ ہی شعری اور ادبی روایت کی نمائندگی کرنے والی شخصیات کے احاطے کے علاوہ ادب و صحافت، طنز و مزاح اور اصلاح معاشرہ کے موضوعات کو بھی اظہار کا وسیلہ بنایا ہے۔ اس کے علاوہ نعتیہ اشعار اور اسلامی رواداری کی خصوصیات کے ذکر کو بھی اپنے مضامین میں جگہ دی ہے۔ ادب کے ذریعے تفریح طبع کا سامان بھی میسر آتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر سید بشیر احمد نے علمی نغموں کو موضوع بنا کر اظہار خیال کیا ہے۔ جاسوسی ادب کے مایۂ ناز تخلیق کار ابن صفی کی شخصیت اور فن کے علاوہ ان کی بہ گیر تحریروں پر بھی ان کی خامہ فرسائی موجود ہے۔ جیسا کہ ابتدا میں ذکر کیا جاچکا ہے کہ 'ایوان ادب' شعر و ادب ہی نہیں بلکہ طنز و مزاح، مذہب اور تصوف کے علاوہ تفریحی موضوعات کا ایک بہترین مرقع ہے جس میں ڈاکٹر سید بشیر احمد کی ذہنی ہم آہنگی اور فطری صلاحیت کا اظہار ہوتا ہے۔

میں اپنی نیک تمناؤں کے ساتھ ڈاکٹر سید بشیر احمد کی کتاب 'ایوان ادب' کی اشاعت پر دلی مبارک باد دیتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں کہ مجھے ایک سعادت مند طالب علم کی حیثیت سے ڈاکٹر سید بشیر احمد کی رہنمائی کا موقع دستیاب ہوا، جن کی تحریروں پر مجھے ہی نہیں بلکہ حیدرآباد کے اہل قلم حضرات کو بے پایاں خوشی حاصل ہوتی ہے۔

ooo

آج کے حالات کے تناظر میں دارا شکوہ کے افکار و خیالات کی اہمیت اور معنویت مزید بڑھ جاتی ہے

اختتامی اجلاس میں ممتاز اسکالر گوپال کرشن گاندھی کا خطبہ

بقیہ صفحہ ۲ سے آگے

حقائق پر رکھی ہے اور دارا شکوہ کی شخصیت اور زندگی کا جائزہ اسی تناظر میں لیا ہے۔

جناب محمد وجیہ الدین نے بھی قاضی عبدالستار کے ناول 'دارا شکوہ' کو اپنے مقالے کا موضوع بنایا اور کہا کہ قاضی صاحب کے اس ناول کو فکشن کی دنیا میں اہم مقام حاصل ہے۔ وجیہ الدین صاحب نے کہا کہ قاضی صاحب کی غیر معمولی علمی و ادبی خدمات سے دنیا بخوبی واقف ہے۔

پروفیسر شریف حسین قاسمی نے 'دارا شکوہ، فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا علمبردار' کے موضوع پر عالمانہ مقالہ پیش کیا۔ انھوں نے اپنے مقالے میں ثابت کیا کہ دارا شکوہ کی پوری زندگی فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو پروان چڑھانے میں گزری۔ وہ ہندو ازم اور اسلام کے درمیان مشترک اقدار کو فروغ دینے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہا اور اس کے لیے اس نے کئی کتابیں لکھیں۔ 'سفینۃ الاولیا'، 'سکینۃ الاولیا'، 'سرِ اکبر' اور 'مجمع البحرین' دارا شکوہ کی اسی کوشش کا نتیجہ ہیں۔ ان کتابوں کا مقصد فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور یک جہتی کو مضبوط کرنا اور فروغ دینا ہی ہے۔

قاضی عبدالستار صاحب نے اپنے صدارتی کلمات میں اجلاس میں پڑھے گئے مقالوں پر اپنی رائے پیش کی اور اپنے مفید مشوروں کے ساتھ کچھ غلطیوں کی نشان دہی بھی کی۔ انھوں نے کہا کہ دارا شکوہ کے ساتھ جو فوج تھی اس نے اس کے ساتھ غداری کی۔ یہ کہاں کا قانون ہے کہ بادشاہ زندہ رہے اور بیٹا حاکم بن جائے، صحیح معنوں میں ایسا شخص غاصب ہے۔

پانچواں اجلاس

اس کے بعد آج کا دوسرا اور سیمینار کا پانچواں اجلاس انجمن ترقی اردو (ہند) کے صدر پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں جناب قمر عالم، جناب نصرت ظہیر، ڈاکٹر سرور الہدیٰ، ڈاکٹر عبدالحسیب خاں اور پروفیسر سید عقیل الرحمٰن صاحب نے اپنے اپنے مقالے پیش کیے۔

اس اجلاس میں سب سے پہلے قمر عالم صاحب نے اپنا مقالہ پیش کیا۔ انھوں نے کہا کہ دارا شکوہ کو سنسکرت زبان پر عبور حاصل تھا اور اس کا مطالعہ وسیع تھا۔ اس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ صوفیا اور فقرا کی صحبت میں گزارا۔ ہندوستان میں تصوف کو ایک نیا رنگ دینے کی کوشش کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے ہندو ازم اور مذہب اسلام دونوں کو قریب لانے کی بھر پور کوشش کی۔

ڈاکٹر سرور الہدیٰ نے اپنا مقالہ 'اردو میں دارا شکوہ کی تحریریں اور ان کا محاکمہ' کے عنوان سے پیش کیا۔ انھوں نے کہا کہ دارا شکوہ کی تحریریں طویل سفر کے بعد ہم تک پہنچی ہیں، اس لیے ان کی چھان پھٹک کرنا ہمارا فرض ہے کہ آیا یہ تحریریں کہاں تک صحیح ہیں۔ دراصل دارا شکوہ کثرت میں وحدت کا متلاشی تھا اور اس مقصد میں اس نے دیر و حرم کی تفریق کو مٹایا ہے۔

ڈاکٹر عبدالحسیب خاں نے پروفیسر محمد مجیب کے ڈرامے 'خانہ جنگی' پر سیر حاصل گفتگو کی۔ انھوں نے کہا کہ اگرچہ دارا شکوہ لڑائی میں اورنگ زیب سے ہار گیا لیکن علمی اور نظریاتی طور پر جیت گیا۔ آج کا یہ سیمینار اس بات کی دلیل ہے کہ موجودہ زمانے کو بڑی شدت کے ساتھ دارا شکوہ کی ضرورت ہے۔

جناب نصرت ظہیر صاحب نے اپنا مقالہ انھوں نے خط کی شکل میں پیش کیا، جس میں انھوں نے طنز و مزاح کے انداز میں دارا شکوہ اور اورنگ زیب کے زمانے کے حالات کا ذکر کیا اور ثابت کیا کہ دارا شکوہ کی خدمات ہندوستانی پس منظر میں بہت اہم ہیں اور ہندوستان جیسے ملک میں مختلف مذاہب اور مختلف فرقوں کے درمیان بھائی چارہ و ہم آہنگی کو قائم رکھنے کے لیے اس کے خیالات کو عام کرنا خاص طور سے موجودہ دور میں نہایت ضروری ہو گیا ہے۔

پروفیسر سید عقیل الرحمٰن صاحب نے 'دارا شکوہ کی طب دوستی' کے عنوان سے اپنا مقالہ پیش کیا اور ثابت کیا کہ مغل شہزادوں کی مختلف علوم و فنون میں دل چسپی رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغل بادشاہوں کے دربار کبھی بھی اہلِ علم و فن سے خالی نہیں رہے۔ مغل بادشاہوں نے نہ صرف اہلِ علم کی قدر دانی کی، بلکہ انھیں مال و دولت اور منصب سے بھی نوازا۔ عقیل الرحمٰن صاحب نے یہ بھی بتایا کہ اس زمانے کی ایک خاص روایت یہ تھی کہ ہر لائبریری میں طبی کتابیں ہوتی تھیں، جن سے بلا تفریق ہر خاص و عام استفادہ کرتا تھا۔

اختتامی اجلاس

انجمن ترقی اردو (ہند) کے زیر اہتمام 'دارا شکوہ: تاریخ اور زمانۂ حال کے تناظر میں' کے موضوع پر منعقد بین الاقوامی سیمینار کے اختتامی اجلاس میں ممتاز دانش ور، مہاتما گاندھی کے پوتے اور سابق گورنر مغربی بنگال جناب گوپال کرشن گاندھی نے اپنا اہم اور عالمانہ خطبہ پیش کیا۔ انھوں نے اپنا مقالہ جو ایک ای میل کی شکل میں دارا شکوہ کے نام لکھا ہوا تھا، مکالماتی انداز میں بہت ہی موثر اور شائستہ لہجے میں پڑھا۔ انھوں نے دارا شکوہ کی شخصیت اور زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بہت ہی دل چسپ اور معروضی انداز میں روشنی ڈالی اور بتایا کہ دارا شکوہ بہت ہی حلیم اور بردبار شہزادہ تھا اور اس نے زندگی بھر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مشترک اقدار کے فروغ کی کوششیں کیں۔ انھوں نے اپنے خطبے میں اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ ہندوستان کی راجدھانی دہلی میں دارا شکوہ کے نام کوئی یادگار نہیں ہے جب کہ اورنگ زیب کے نام ایک مشہور شاہراہ منسوب ہے۔ انھوں نے اپنے خطبے میں دارا شکوہ کی متعدد خوبیوں اور امتیازات کا بھی ذکر کیا۔

انجمن ترقی اردو (ہند) کے صدر پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ خوشی کی بات ہے کہ ہمارا تین روزہ بین الاقوامی سیمینار کامیابی کے ساتھ اختتام کو پہنچ رہا ہے۔ دارا شکوہ پر آج تک اتنا اہم اور بڑا سیمینار نہیں ہوا۔ اس سیمینار میں دارا شکوہ کی شخصیت اور خدمات کا اردو، ہندی اور انگریزی تینوں زبانوں میں جائزہ لیا گیا۔ اس موقعے پر ڈاکٹر رضا حیدر نے جناب گوپال کرشن گاندھی کا تعارف پیش کیا اور نظامت کے فرائض انجام دیے۔ اس اجلاس میں دہلی کی مختلف شعبہ ہائے حیات سے وابستہ معتبر ترین ہستیاں، بشمول مورخین اور گاندھی وادیوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ جناب وجاہت حبیب اللہ (صدر قومی اقلیتی کمیشن)، کومریڈ سیتا رام یچوری اور محترمہ سیما چشتی (انڈین ایکسپریس) وغیرہم کے نام شرکا کی اس کہکشاں میں اہم ہیں۔

آخر میں انجمن ترقی اردو (ہند) کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر اطہر فاروقی نے کہا کہ میں اس سیمینار کے افتتاحی اجلاس اور دیگر اجلاسوں میں شریک ہونے والے تمام صدور محترم، مقالہ نگار حضرات اور مقررین کا شکر گزار ہوں کہ جنھوں نے ہماری دعوت پر اس سیمینار میں شریک ہو کر اس کے وقار میں اضافہ کیا۔ یہاں اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ دارا شکوہ پر اس سیمینار کے انعقاد کا خواب میرے پیش رو ڈاکٹر خلیق انجم نے دیکھا تھا اور وہ اس پروجیکٹ پر برسوں کام کرتے رہے۔ یہ بات اس اعتبار سے ہمارے لیے باعث رنج ہے کہ عین اس وقت جب دارا شکوہ سیمینار پر ان کا یہ خواب پایۂ تکمیل کو پہنچ رہا ہے تو وہ صاحب فراش ہیں اور ہمارے درمیان موجود نہیں۔ بہرحال ہم ان کی صحت اور سلامتی کے لیے دعا گو ہیں۔ میں اس موقعے پر ان تمام ادبی اداروں اور انجمنوں، خاص طور سے غالب انسٹی ٹیوٹ، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان اور انڈین کونسل فور ہسٹوریکل ریسرچ اور ان کے ذمہ داران کا بھی دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں جن کا تعاون ہمارے لیے اس سیمینار کی کامیابی کا ضامن ہے۔ میں انجمن کے تمام اراکین اور جملہ کارکنان کا بھی شکر گزار ہوں جنھوں نے اس سیمینار کو کامیابی کی منزل تک پہنچانے میں میری مدد کی۔ آخر میں میں تمام شرکا اور سامعین کا بھی بے حد ممنون ہوں۔

(رپورٹر: محمد عارف خاں)

■○■



تصویر میں (دائیں سے بائیں): عزت مآب گوپال کرشن گاندھی، پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی اور ڈاکٹر اطہر فاروقی

دارا شکوہ کے تاریخی رول کی بابت چند معروضات

پروفیسر اقتدار عالم خاں (شعبۂ تاریخ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)

ہندستان کی تاریخ میں دارا شکوہ کو عام طور پر ایک خونی کردار کے طور پر یاد رکھا گیا ہے۔ انھیں بقول محمد حسین آزاد "وسیع زاویہ" رکھنے والے اپنے چھوٹے بھائی نے قتل کروادیا جسے بڑے بھائی سے لے کر باپ تک کسی کا لحاظ نہ تھا۔ دوسری طرف بعض اوقات دارا شکوہ کی شکست اور قتل کو مغل سلطنت میں جاری صلح کل سے عبارت انتظامی تبدیلیوں کے تدارک کا مظہر بھی قرار دیا جاتا ہے۔ علامہ اقبال نے اسی خیال کو اجاگر کرتے ہوئے ایک جگہ دارا شکوہ کے حریف اورنگ زیب کو "خدنگِ آخریں" کے لقب سے نوازا ہے۔

اس کے برخلاف جنگ آزادی کے دوران قوم پرستانہ نقطۂ نظر کی حامل تاریخی نگارشات میں دارا شکوہ کو انسانیت دوستی اور صلح کل کی اعلا اقدار کے تحفظ کی خاطر اپنی جان نچھاور کردینے والی ایک ایسی تاریخی شخصیت کے طور پر پیش کیا گیا ہے جس کو اپنی وسیع نگارشات خصوصاً اپنشدوں کے فارسی ترجمہ سرِ اکبر کی رعایت سے ان چند لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے جنھوں نے بیرونی دنیا کو قدیم ہندستان کی تہذیب سے روشناس کرایا۔ پروفیسر محمد حبیب کے مطابق، اس رعایت سے دارا شکوہ کا علمی کارنامہ البیرونی کے ہم پلہ ہے۔

اسی مقدمے کے دوران سرمد کے منہ سے نکلے ایک بے ساختہ جملے سے ظاہر ہے کہ دارا شکوہ کے قتل کے بعد اس کے ہمنواؤں کا بھی تاثر تھا کہ حق گوئی اور فرقہ وارانہ رواداری کی حامل سیاسی روایت، جو اکبر کے عہد سے شروع ہوئی اب اپنے اختتام کے قریب تھی۔ عدالت میں اپنے اوپر الزامات کی بوچھار کرنے والے قاضی عبدالقوی کی آنکھ سے آنکھ ملا کر انھوں نے کہا تھا: "ملا شیطان قوی است"۔ مطلب صاف ہے کہ ان کے ادراک کے مطابق دارا کی شکست نے ایک 'شیطانی' طاقت کے لیے میدان ہموار کردیا تھا۔

بہرحال یہ خیال بھی پوری طرح درست نہیں ہے کہ اورنگ زیب کے برسر اقتدار آنے کے بعد مغل سلطنت میں وہ تہذیبی رجحان جو اکبری صلح کل کا دین تھا اور سترہویں صدی کے دوران جس کی نمائندگی دارا شکوہ اور قادری سلسلے کے بعض صوفیا اور سرمد ایسے مجذوب کرتے تھے، پوری طرح حاشیے پر چلا گیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اورنگ زیب کی تخت نشینی کے بعد بھی تقریباً بیس برسوں تک مغل طرز حکومت ویسا ہی رہا جیسا جہانگیر اور شاہ جہاں کے زمانے میں تھا۔ یعنی جزیہ جو اسلامی غلبے کی اہم علامت قرار دیا گیا ہے، حسب سابق موقوف رہا۔ منصب داروں میں غیر مسلموں کی تعداد بتدریج بڑھتی رہی، لیکن ۱۶۷۹ء میں جزیہ کا پھر سے عائد کیا جانا شاید ایک نیا موڑ ثابت ہوا۔ لیکن یاد رکھنے لائق بات یہ ہے کہ اورنگ زیب کے اس فیصلے کی شاہی خاندان کے کئی باثر افراد اور بعض اہم امرا کی طرف سے برابر مخالفت ہوتی رہی۔ (ڈاکٹر ستیش چندرا اور ڈاکٹر اطہر علی کی ریسرچ نے یہ پہلو بخوبی واضح کردیا ہے)۔ بالآخر جب اورنگ زیب کے انتقال کے بعد جزیہ پھر موقوف ہوا تو دوبارہ عائد نہیں کیا جاسکا۔ اس زمرے میں مغل سلطنت کے دو ہندو امیروں جے سنگھ سوائی اور گردھر بہادر کا وہ بیان قابل توجہ ہے جو انھوں نے ۱۷۲۰ء میں ایک تورانی امیر اسعد خاں کی طرف سے جزیہ دوبارہ عائد کیے جانے کی تجویز کے خلاف اپنی ایک عرض داشت میں درج کیا تھا۔ بادشاہ کو مخاطب کرتے ہوئے انھوں نے لکھا تھا "آپ تو ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے بادشاہ ہیں"۔ دوسرے الفاظ میں وہ یہ یاد دلا رہے تھے کہ مغل سلطنت میں ہندو امرا برابر کے حصے دار تھے اور یہ کہ اس نوعیت کی ریاستی تنظیم میں غیر مسلموں کے ساتھ کسی قسم کی تفریق مناسب نہ ہوگی۔

یہ بات کہ مغل سلطنت کے اس کردار کو خود اورنگ زیب ابتدا سے تسلیم کرتے تھے، اُن کے اُس خط سے مترشح ہے جو دارا شکوہ کے خلاف اپنی جنگ میں مارواڑ کے رانا راج سنگھ کی حمایت حاصل کرنے کی غرض سے ۱۶۵۸ء میں لکھا تھا۔ اس خط میں انھوں نے اُن بنیادی اصولوں کو دوہرایا ہے جو بادشاہت کے صلح کل سے عبارت تصور میں کارفرما تھے۔ اسی سیاق میں ایک جگہ لکھتے ہیں: "مختلف مذاہب اور ملتوں سے تعلق رکھنے والوں کو ایک دوسرے کے ساتھ امن و آشتی سے زندگی بسر کرنی چاہیے۔ یہی راستہ فلاح اور بہبود کا بھی ہے۔ (غرض کہ) کسی کو بھی دوسروں (یعنی دوسرے گروہوں) کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے"۔ اسی خط میں مزید لکھتے ہیں کہ "بعض حکمراں تعصب کا رویہ اختیار کرکے تفرقہ اور فساد کو جنم دیتے ہیں اور عوام الناس کے زیاں کا باعث ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسا طرز عمل ہے جس سے پہلو تہی نہایت ضروری ہے"۔ آخر میں یہ وعدہ کرتے ہیں کہ اگر وہ تخت شاہی حاصل کرنے میں کامیاب رہے تو "اپنے بزرگوں کے طرز عمل اور ان کے وضع کیے ضوابط پر ثابت قدم رہیں گے"۔ اورنگ زیب نے ۱۶۷۹ء کے بعد سے جو طرز عمل اختیار کیا اُس کی روشنی میں ان کا یہ وعدہ مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے، لیکن اہم بات یہ ہے کہ تخت کے لیے خانہ جنگی شروع کرتے وقت انھیں اس قسم کے اعلان کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اورنگ زیب کو شاید پوری طرح اندازہ تھا کہ صلح کل سے عبارت ریاستی نظریہ مغل امرا کے درمیان کتنی مقبولیت حاصل کرچکا تھا۔ وہ غالباً یہ بھی جانتے تھے کہ "خدنگ آخریں" سے عبارت کسی پیکر میں اس عہد کے مغل امرا کو کوئی خاص دل چسپی نہیں تھی۔

بہرنوع قاضی کی عدالت میں مقدمے کی کارروائی کے دوران سرمد کی زبان سے نکلا ایک بظاہر بے ربط جملہ ("ملا شیطان قوی است") اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ دارا شکوہ کے قتل کے بعد اس کے ہمنواؤں میں عام تاثر یہی تھا کہ عوام دوستی، حق گوئی اور مذہبی رواداری کی حامل وہ سیاسی روایت، جس کو اکبر کے عہد میں مخصوص جلا ملی تھی، اب اپنے اختتام کے قریب تھی۔ عدالت میں اپنے اوپر الزامات کی بوچھار کرنے والے قاضی عبدالقوی کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر جب انھوں نے کہا تھا "ملا شیطان قوی است" تو شاید اس کا مطلب یہی تھا کہ دارا کی شکست نے (جسے پاکستانی تاریخ نگاری کا مخصوص اسکول الحاد اور غیر اسلام اسلام کے سو باب کے مترادف قرار دیتے ہیں) ایک ایسی شیطانی طاقت کے غلبے کے لیے میدان ہموار کردیا تھا جو دین اور سلطنت دونوں کے لیے مضر تھی۔

دارا شکوہ کی شکست پر دلی کے عوام (جن کی بڑی اکثریت غالباً مسلمان کاریگروں اور نوکری پیشہ افراد پر مشتمل تھی) کے ردعمل کی بابت جو تفصیلات محمد کاظم اور بعض دوسرے ہم عصر ماخذ نے درج کی ہیں یہ ظاہر کرنے کے لیے کافی ہیں کہ اس عہد کے عام ہندستانی مسلمانوں نے نہ صرف دارا شکوہ کی شکست اور پسپائی کو ایک سانحہ تصور کیا تھا بلکہ بہت سے لوگ اس کی حمایت میں سرکاری کارکنوں سے دست و گریباں ہونے پر آمادہ تھے۔ معاصرین کی درج کی گئی تفصیلات کو ذکاء اللہ نے اپنے مخصوص انداز میں یکجا کردیا ہے۔ ذکاء اللہ کی یہ تحریر لامحالہ اُن صحافتی رپورٹوں کی یاد تازہ کرتی ہے جو بھگت سنگھ اور ان کے ساتھیوں کی پھانسی کے دوسرے روز وقوع پذیر لاہور کے عوامی ردعمل کا احاطہ کرتی ہیں۔ یہاں اس تحریر کا ایک حصہ بے کم و کاست نقل کیا جارہا ہے تاکہ واضح ہوسکے کہ جب سرمد نے قاضی عبدالقوی کو مخاطب کرکے بآواز بلند کہا تھا "ملا شیطان قوی است" تو وہ کن لوگوں کی نمائندگی کررہا تھا:

"جب شہر میں وہ (افغان سردار، ملک جیون، دارا شکوہ کو قیدی بنائے ہوئے) داخل ہوا اور بازاروں میں سے گزرا تو اوباش آدمی اور دارا شکوہ کے ہوا خواہ، ہر کوچہ و بازار کے اہل حرفہ و پیشہ اور ہر قوم کے تماشائی ایک دوسرے کی تقلید کرکے جمع ہوگئے۔ وہ بختیار خاں (اورنگ زیب کا فوجی افسر) اور اس کے ہمراہیوں کو گالیاں دیتے تھے۔ اینٹ پتھر اور کوڑا کرکٹ نجاست آلود اپنے اس پر پھینکتے کہ کئی آدمی مجروح ہوکر ہلاک ہوگئے اور بہت زخمی ہوئے۔ بختیار خاں سر پر سپر لگا کے اس بلا سے بچ کر بادشاہ کی خدمت میں آیا۔ کہتے ہیں اس دن اگر کوتوال شہر اپنے آدمیوں کے ساتھ شہر کے آشوب کے رفع کرنے میں کوشش نہ کرتا تو شہر میں بڑا بلوہ ہوتا"۔

•••

اداریے کا مضمون نگاروں سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے — (ادارہ)

مدیر: اطہر فاروقی
شریک مدیر: محمد عارف خاں
پرنٹر پبلشر: شاہد خاں — مطبوعہ: شمر آفسٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، ۲۱۲، راؤز ایونیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲
قیمت (فی شمارہ): دو روپے، سالانہ: ۹۵ روپے (بیرونی ممالک آٹھ امریکن ڈالر)
Phones: 23237210, 23236299. Fax: 011-23236299
E-mail: hamarizaban@anjumantaraqqiurduhind.org
http://www.anjumantaraqqiurduhind.org